

جناب نور محمد غفاری۔ ایم۔ اے۔

معانی
النواع
لوازمات
ضرورت

تفسیر اور علم تفسیر

معنی | تفسیر۔ حرفی مادہ "فسر" سے تفعیل کے وزن پر ہے۔ "فسر" کے معنی بیان (واضح کرنا) اور کشف (کھولنا) کے ہیں۔ اس مادہ "فسر" سے جتنے الفاظ بنتے ہیں۔ ان کے معنی تشریح و توضیح کے ہوتے ہیں۔ اور اسی سے تفسیر ہے۔ کیونکہ اس میں عبارت کو کھول کر معنی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ایک دوسرے قول کے مطابق، تفسیر کا ماخذ "تفسرة" ہے۔ تفسرة اس قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ طبیب مرض کی شناخت کیا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تفسیر کے معنی میں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے کسی دوسری چیز پر استدلال کر کے اس کی حقیقت کا ادراک کیا جاسکے۔ اگر بیک وقت فسر اور تفسرة دونوں کو تفسیر کا ماخذ قرار دیا جائے تو بھی درست ہے۔ ان دونوں کے معنی اور مفہوم میں نہایت عمدہ تطبیق ممکن ہے۔ مثلاً پہلے لفظ فسر کے معنی بیان اور کشف یا اظہار کے ہیں۔ دوسرا لفظ تفسرة اس قوت کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کے ذریعے طبیب مرض کی شناخت کرتا ہے۔ اب اگر طبیب سے مراد مفسر لیں تو تفسرة (یعنی قوت) وہ علمی یا دہی قوت ہے جس کی مدد سے وہ قرآنی معارف اور رموز کا پتہ پڑاتا ہے۔ اور فسر (یعنی کشف و بیان) وہ قوت استدلال ہے جس کے ذریعے وہ ان معلوم کردہ رموز کی عقدہ کشائی کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

تعریف | سادہ لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ تفسیر سے مراد ہے۔ قرآن مجید کی عبارت کو اس طرح واضح کرنا کہ احکام الہیہ معلوم ہو سکیں۔ اور ان پر عمل پیرا ہو کر خداوند قدوس کی رضا حاصل کی جاسکے۔ مگر مختلف علماء امت نے مختلف اوقات میں اپنے اپنے انداز پر علم تفسیر کی تعریف کی ہے۔ چونکہ جو کچھ ان سے منقول اور فرمود ہے۔ وہی ہمارے علم اور بالخصوص علم دین کی اساس ہے۔ لہذا یہاں چند

ایک اقبال ان بزرگان امت کے درج کئے جاتے ہیں۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں،
 ”تفسیر الیسا علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب سمجھی جاتی ہے جسے اس نے
 اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ اور اسی علم کے ذریعے کتاب اللہ کے معانی
 کا بیان، اس کے احکام کا استخراج اور اس کے حکم کو معلوم کیا جاتا ہے۔ اور اس انہام تفہیم
 کے سلسلہ میں علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم بیان، علم قراۃ اور علم اصول فقہ سے مدد
 لی جاتی ہے۔ اور اس میں اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کی معرفت کی بھی حاجت پیش
 آتی ہے۔“ (البرہان - علامہ محمد بن عبد اللہ زرکشی)

علامہ البوہیان الاندلسیؒ نے فرمایا،
 هُوَ عِلْمٌ يَبْحَثُ عَنْ كَيْفِيَّةِ النَّطْقِ
 بِالْعَاطِظِ الْقُرْآنِ وَمَدَّ لَوْلَا حَقًّا وَأَحْكَامًا
 الْإِنْشَادِيَّةَ وَالْتَّرْكِيبِيَّةَ وَمَعَانِيهَا
 الَّتِي تَحْمَلُ وَعَلَيْهَا حَالَتُهُ التَّرْكِيبِ
 وَتَمَاتَتْ لِذَلِكَ - (بمعنى) -
 تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن
 کی کیفیت نطق، ان کے مدلولات اور
 احکام انشادیہ اور ترکیبیہ اور ان کے
 معانی سے بحث کی جاتی ہے جن پر
 بحالت ترکیب ان الفاظ کو محمول کیا جاتا
 ہے۔ اور اس بات کے تمات بھی تفسیر میں داخل ہیں۔

اس تعریف کی تشریح خود حضرت البوہیانؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:
 ”تفسیر کی تعریف میں ہمارا قول ”علم“ جس سے ہے۔ اور ہمارا یہ قول کہ ”يَبْحَثُ فِيهِ مِنْ
 كَيْفِيَّةِ النَّطْقِ بِالْعَاطِظِ الْقُرْآنِ“ علم قرأت ہے۔ اور ہمارے قول ”مَدَّ لَوْلَا حَقًّا“ سے
 انہی الفاظ کے مدلولات مراد ہے۔ اور یہ علم لغت کا متن ہے۔ جس کی ضرورت اس علم میں
 پڑتی ہے۔ اور ہم نے ”أَحْكَامًا الْإِنْشَادِيَّةَ وَالْتَّرْكِيبِيَّةَ“ اس واسطے کہا ہے کہ
 یہ قول صرف، بیان اور بدیع کے علوم پر مشتمل ہے۔ اور ہمارا قول ”وَمَعَانِيهَا الَّتِي تَحْمَلُ
 عَلَيْهَا حَالَتُهُ التَّرْكِيبِ“ ان چیزوں کو بھی شامل ہے۔ جن پر وہ لفظ از روئے حقیقت
 دلالت کر رہا ہے۔ یا از روئے مجاز۔ کیونکہ ترکیب کبھی اپنے ظاہر کے لحاظ سے ایک
 شے کی معنی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس کو اس شے پر محمول کرنے سے کوئی مانع ہوتا ہے۔
 لہذا وہ کسی اور شے پر محمول کر دی جاتی ہے۔ اور اسی بات کا نام مجاز ہے۔ اور ہمارا
 قول ”تَمَاتَتْ لِذَلِكَ“ معرفت نسخ، اسباب نزول اور ایسے قصہ کی شناخت

پر دلالت کرتا ہے۔ جو قرآن کی بعض مبہم باتوں کی توضیح کرتا ہو اور اسی طرح دوسری باتوں کی۔
(بحوالہ الاتقان فی علوم القرآن ذریعہ ۷۸)

بعض دیگر علماء نے کہا ہے :

”تفسیر اصطلاح میں نزول آیات، شان نزول کے علم کو کہا جاتا ہے۔ اور اس بات کے
ماننے کو بھی تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کہ آیات قرآن کے کئی مدنی، حکم و مشابہہ
ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفسر، حلال و حرام، وعدہ و وعید، امر و نہی
اور عبرت و امثال ہونے کی ترتیب معلوم ہو۔“
(الاتقان ذریعہ ۷۸)

الغرض، تفسیر سے مراد معانی القرآن کی وضاحت اور ان کی منشاء کا بیان ہے۔ یہ بیان قواعد عربی کے
مطابق آیات کے شان نزول، ان کی کیفیت، ان کی سند اور ان کے طرز استدلال کو ملحوظ رکھتے ہوئے
ہوگا۔

تفسیر سے ملتا جلتا ایک لفظ ”تاویل“ ہے۔ اس بات میں علماء اصول کا اختلاف ہے کہ آیا تفسیر
اور تاویل ایک ہی مفہوم کے دو رخ ہیں یا ان میں اختلاف ہے۔ ؟ مگر ہم پہلے ذرا لفظ تاویل پر بحث کرتے
ہیں۔ پھر انشاء اللہ ان دونوں کے تطابق اور تضاد پر روشنی ڈالیں گے۔

تاویل | تاویل کی اصل ”الاول“ ہے۔ جس کے معنی پھیرنا یا لوٹانا، رجوع کرنا، بازگشت وغیرہ
ایک دوسرے قول کے مطابق تاویل کا ماخذ ”الآیات“ ہے۔ جس کے معنی ہیں سیاست یعنی حکمرانی اور انتظام
سلطنت، گویا کلام کی تاویل کرنے والے نے اس کا انتظام درست کر دیا۔ اور اس میں معنی کو اس کی جگہ پر
رکھ دیا۔

اصطلاحاً مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی عبارت کا مطلب ظاہر ہے، باطن کی طرف پھیرا جائے۔ حضرت
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”تاویل کے معنی ہیں کلام کے کوئی ایسے معنی بیان کئے جائیں جو ظاہری معنی کے خلاف ہو۔“

(العنود الکبیرہ باب چہارم فصل دوم)

تاویل کے اصطلاحی معنی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے ان سب لغوی
معنی کو شامل ہے :

- ۱۔ تعبیر
- ۲۔ بحیث
- ۳۔ انجام
- ۴۔ اصل مدعا
- ۵۔ باطنی مفہوم
- ۶۔ عملی ثبوت۔

اب ان میں سے ہر ایک کی مثال دیکھئے۔
تعبیر ارشاد ہے :

اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین
کو تخت پر بٹھایا۔ اور وہ (دونوں) ان
(حضرت یوسفؑ) کے سامنے سجدہ ریز ہو
گئے۔ تو انہوں نے کہا اسے ابا جان ! یہ

وَرَفَعَ الْيَدَيْنِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا
لَهُ سُجَّدًا ۖ قَالَ يَا بَنِيَّ هَذَا تَأْوِيلُ
رِيَايَ مِنْ قَبْلُ ۖ قَدْ جَعَلَهَا كَرِيمٌ
حَقًّا ط (یوسف : ۱۰۰)

میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ میرے پروردگار نے (اسے) درست کر دکھایا۔

یہاں اس خواب کی تعبیر بیان کی جا رہی ہے جو یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا۔

۲۔ حجت

بلکہ جھٹلایا۔ انہوں نے اس چیز کو جس کا وہ علم
نہیں رکھتے تھے۔ اور ان کے پاس اس
تحقیق حجت پہنچی تھی۔

بَلَىٰ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَحِيطُوا بِعِلْمِنَا
ذَلُمَّا يَا تٰهٰمُ تَاْوِيْلُكُمْ
(یونس : ۳۹)

۳۔ انجام

اسے ایمان والو ! اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور جو تم میں صاحب اقتدار ہیں انکی
طاعت کرو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن
پر ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر تمہارے (اور صاحب
اقتدار کے) درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو جائے
تو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان
رکھتے ہو تو ایسے متنازعہ فیہ امور کو اللہ اور

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اطِيعُوْا اللّٰهَ
وَاطِيعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُولٰٓئِیْ الْاَمْرِ
مِنْكُمْ فَاِنْ تَنٰازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ
فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ
كُنْتُمْ تُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا
(نساء : ۵۹)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے
اچھا ہے۔

۴۔ اصل مدعا

اور اس طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرے گا
اور تجھے باتوں کی تائید (اصل مدعا) بتانا سکھائے گا۔

وَكَذٰلِكَ يَخْتِيْلُ رَبُّكَ
يَعْلَمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ
(یوسف : ۱۰۴)

۵۔ باطنی مفہوم

ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِيعْ عَلَيْهِ
صَمِيحاً۔ (الکہف: ۸۲) کی جس (کے نہ جاسنے) پر تو صبر نہ کر سکا۔

در اصل اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات اور خضر علیہ السلام کے ان افعال کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ جان سکے اور انہیں ظاہر پر محمول کر کے حضرت خضر علیہ السلام کو ہر بار ان کے فعل پر ٹوکتے تھے۔ مگر جب حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں باطنی مراد بتائی تو مطمئن ہو گئے۔

۶۔ عملی ثبوت

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ - يَوْمَ يَأْتِيهِ
تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوا مِنْ قَبْلُ
قَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا بِالْحَقِّ -
کیا وہ نہیں غفلت کر اس (قیامت) کی حقیقت کے ظاہر ہونے کے۔ تو جس دن اسکی حقیقت ظاہر ہوگی۔ تو وہ لوگ جو پہلے اس (دن) کو بھول چکے تھے، کہیں گے تحقیق اُسے تھے

(الاعراف: ۵۲)

ہمارے پاس پروردگار کے رسول حق کے ساتھ۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر مکیؒ لکھتے ہیں:

”یعنی کافر راہ دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں خبر ہے عذاب کی ہم دیکھ لیں کہ ٹھیک پڑے تب قبول کریں۔ سو جب ٹھیک پڑے گی۔ تو خلاصی کہاں پڑے گی؟ خبر اسی واسطے ہے کہ اُسے بچاؤ پکڑیں۔“

اس تفسیر سے یہی مفہوم مترشح ہے کہ وہ قیامت کا عملی ثبوت چاہتے تھے۔

تادیل کا علم ایک بیش بہا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تادیل الاحادیث یعنی باتوں کا باطنی مفہوم اور تادیل رویا یعنی خوابوں کی تعبیر کی اہلیت عطا کی تھی جس نے انہیں زنداں سے نکال مصر کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا۔

تفسیر اور تادیل کے مابین فرق

تعمیر اور تادیل کے اس مختصر تعارف کے بعد اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا تفسیر اور تادیل ایک ہی مفہوم و مدعا کے تعبیری الفاظ ہیں یا ان دونوں میں کوئی فرق ہے؟ اس بارے میں سادہ عبارت عطا کریں

اختلاف رائے رہا ہے۔ اور تمام علماء دو گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۱۔ تضاد کے قائل۔ ۲۔ تطابق کے قائل۔

۱۔ تضاد کے قائل | اس گروہ کی تعداد بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ہے اور ان کے اقوال کا سلسلہ نہایت طویل ہے۔ چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

امام راعنب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام تر چیز ہے۔ اور اس کا زیادہ استعمال مفرد الفاظ میں ہوا کرتا ہے۔ اور تاویل کا استعمال اکثر معانی اور جملوں میں آتا ہے۔ پھر زیادہ تر تاویل کا استعمال کتب الہیہ کے بارے میں ہوتا ہے۔ اور تفسیر کو کتب سادیہ اور دوسری تمام کتابوں کے بارے میں استعمال کر لیتے ہیں۔“

گویا تفسیر عام چیز ہے اور تاویل خاص۔ ایک اور عالم کا قول ہے :

”تفسیر ایسے لفظ کے بیان کا نام ہے جو صرف ایک ہی پہلو کا حامل ہو مگر تاویل ایک مختلف معانی کے حامل لفظ کو ان ہی معنی میں سے کسی ایک کی طرف لوٹانے کا نام ہے۔ اور یہ چیز دلیلوں سے ظاہر ہوتی ہے۔“

اب منصور ماتریدی کا قول ہے :

”تفسیر اس یقین کا نام ہے کہ لفظ سے یہی امر مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اس کو اہی دینے کا نام ہے۔ گویا اس نے لفظ سے یہی مراد لی ہے۔ لہذا اگر اس کے لئے کوئی یقینی دلیل قائم ہو تو وہ تفسیر صحیح ہے۔ ورنہ تفسیر بالرائے ہوگی جس کی مانعت آتی ہے۔ اور تاویل اس کو کہتے ہیں کہ بہت سے استعمالات میں سے کسی ایک کو بغیر یقین اور شہادت الہیہ کے ترجیح دی جائے۔“

ابوطالب ثعلبی نے فرمایا :

”تفسیر لفظ کی وضع کو بیان کرنے کا نام ہے۔ حقیقت ہو یا مجازاً۔ جیسے ”الصراط“ کی تفسیر ”الطریقۃ“ کے ساتھ اور ”صیب“ کی تفسیر ”مطر“ (بارش) کے ساتھ کرنا اور تاویل لفظ کے اندرونی (مدعا) کی تفسیر کا نام ہے اور یہ ”الأدول“ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں انجام کار کی طرف رجوع کرنا، لہذا تاویل حقیقت مراد کی خبر دینا ہے اور تفسیر دلیل مراد کی خبر دینا کیونکہ یہ لفظ مراد کو کشف (بیان) کرتا ہے۔ اور کشف

ہی دلیل ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے : ”اِنَّ رَبَّكَ لَبِاَسْرَ صَاحِرٍ“ اس کی تفسیر یہ ہے کہ ”میرصاد“ ”رصد“ سے ماخوذ ہے۔ اور کہا جاتا ہے ”رَصْدٌ تَحْتُهُ“ (میں نے اس کی نگرانی کی اور تاک رکھی) اور ”مِرصاد“ ”رصد“ سے ”مفعول“ کے وزن پر ہے۔ اور اس آیت کریمہ کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قول سے اپنے حکم کی بجا آوری میں سستی کرنے اور اس کے لئے تیار اور مستعد رہنے میں غفلت برتنے کے برے انجام سے خوف دلایا ہے۔ اور قطعی دلیلیں اس لفظ کی لغوی وضع کے خلاف معنی مراد ہونے کا بیان کرنے کی مقتضی ہیں۔

ابو محمد عبداللہ اصغہانیؒ نے اپنی تفسیر میں اس طرح بیان کیا ہے :

”معلوم رہے کہ علماء کی اصطلاح میں تفسیر سے معانی قرآن کی وضاحت اور ان کی مراد بتانا مقصود ہے۔ عام ازیں کہ لفظ کے اعتبار سے مشکل وغیرہ کی قسم سے ہوا معنی کے اعتبار سے ظاہر وغیرہ کی قسم سے۔ اور تاویل اکثر جملوں میں ہی ہوتی ہے۔ اور تفسیر کا استعمال یا تو اکثر غریب الفاظ میں ہوتا ہے۔ جیسے ”بحیرۃ“ ”السَّائِبَةُ“ اور ”الْوَصِيْلَةُ“ میں یا کسی وجہ میں بطور شرح کرنے کے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ) نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو۔ میں اور کسی ایسے کلام میں تفسیر کا زیادہ استعمال ہوتا ہے جو کسی قصہ پر مشتمل ہو اور اس کلام کا سمجھنا اس قصہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہ ہو۔ مثلاً : اِنَّمَا النَّسِيْءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ - (توبہ - ۳۷) مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا بھی کفر کی زیادتی ہے۔

اور دوسرا ارشاد :

لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا۔
نیکی اس کا نام نہیں کہ تم گھروں میں ان کی چھتوں کے راستے سے آؤ۔

اور تاویل کا استعمال کبھی عام طور پر ہوتا ہے۔ اور کبھی خاص امر کے انداز پر جیسے لفظ ”کفر“ کہ یہ کبھی مطلق جہود کے واسطے بولا جاتا ہے۔ اور کبھی خاص باری عز و جل کے جہود کے بارے میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ یا ”ایمان“ کا لفظ یہ کہیں مطلق تصدیق کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور دوسری جگہ تصدیق حق کے معنی میں، اور یا اس کا استعمال مختلف معانی میں مشترک لفظ میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ ”وَجَدَ“ کا لفظ ”الْجِدَّة“، ”الْوَجْدُ“ اور ”الْوُجُودُ“ کے

معنی میں بالاشتراك استعمال ہوتا ہے۔“

ایک اور عالم کا فرمودہ ہے کہ تفسیر کا تعلق روایت سے ہے۔ اور تاویل کا تعلق روایت سے ہے۔
ابن نصر القشیریؒ فرماتے ہیں :

”تفسیر کا تعلق محض پیروی اور سماع سے ہے۔ اور تاویل کا تعلق استنباط سے۔“

بعض علماء کا قول ہے کہ جو بات کتاب اللہ میں ملے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معین واقع ہوتی ہے۔ اس کو تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے معنی ظاہر اور واضح ہو چکے ہیں اور کسی شخص کو بذریعہ اجتہاد اور بلا اجتہاد ان کے معانی کے ساتھ کرنے کا بار نہیں رہ گیا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کا حمل خاص اپنی معانی پر کیا جائے گا جو ان میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور ان معانی کی حد سے تجاوز نہ ہوگا۔

اور تاویل وہ ہے جس کو معانی خطاب کے باعمل علماء نے اور آلات علوم کے ماہر ذی علم اصحاب نے استنباط کیا ہو۔

چند دیگر علماء جن میں علامہ بغویؒ اور کوئٹہؒ بھی ہیں کہتے ہیں :

”تاویل ایت کو ایسے معانی کی طرف پھیرنے کا نام ہے جو اس کے ماقبل اور

مابعد کے ساتھ موافق و مطابق ہوں اور آیت ان معنی کی مستعمل ہو۔ پھر وہ معنی استنباط

کے طریق پر بیان کئے جائیں اور کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں۔“

ب۔ تطابق کے قابل | ابو عبیدہؓ اور ان کے ہم خیال حضرات کا موقف یہ ہے کہ ان دونوں

لفظوں کا ایک ہی معنی ہے۔ اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس گروہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا :

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ

بِالْحَقِّ وَ أَحْسَنَ تَفْسِيرٍ۔

(نساء : ۳۳)

اور یہ لوگ تمہارے پاس جو اعتراض کی بات

لائے ہیں۔ ہم تمہارے پاس اس کا معقول جواب

بھیج دیتے ہیں اور بات کی بہترین تشریح کر دیتے ہیں۔

اور قرآن مجید کی مراد اور منشاء کو اللہ تعالیٰ نے تاویل کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہے :

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ۔

اور اس کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی

نہیں جانتا۔

(آل عمران : ۷)

ان آیات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ تفسیر اور تاویل کا مفہیم و مدعا ایک ہی ہے۔

(باقی آئندہ)